اسلامی اور مغربی تعلیم وتربیت کے فلسفی مبانی

□ سید علی جواد ہمدانی٭٭

مقدمہ

ہر قسم کی علمی ترقی در حقیقت فکری ارتقاء میں پوشیدہ ہے اور تمام انسانی علوم شعوری یا لا شعوری طور پر کسی نہ کسی خاص فلسفے پر مبنی ہیں۔ انہی فلسفوں کا باہمی تضاد ہی انسانی علوم میں موجود نظریات و تصورات کے اختلاف کا باعث بنتاہے۔ مثال کے طور پر جو مادہ پرستانہ (Materialism) فلسفی نظام کے تابع ہوگا تو وہ محسوسات سے ماوراء کسی غیبی حقیقت کو قبول نہ کرے گا، یا جو کوئی عدمیّت (Nihilism) کے فلسفے کے زیر اثر ہوگا تو وہ انسانی اقدار کو کوئی اہمیت نہ دے گااور ہر موقعے کو لذتیّت (Epicureanism) کے لئے استعمال کرے گا۔

مندرجہ بالا پس منظر کے ساتھ ہمیں اپنے افکار و تصورات کی صحیح فلسفی فکر کے ذریعے پرورش کی کرنے ضرورت ہے۔ یہی فلسفہ نہ صرف انسان کی علمی، فکری اور سماجی شخصیت کی بنیاد فراہم کرتا ہے بلکہ پورے انسانی نظام تصور و عمل پر بھی اثرانداز ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے دنیا میں تمام تربیتی مکاتب فکر (Educational Schools of Thought) انسانی خلقت کے ہدف اور اس کے اعلیٰ ترین مرتبہ کمال و سعادت کے بارے میں اپنا خاص تصور اور نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔ تصورات کے اس مجموعے سے ہر مکتب کی تہذیب و تمدن اور تعلیم وتربیت کی بنیاد تشکیل پاتی ہے، اور اس بنیاد پر مختلف اصول و مبادیات اور طریقہ کار اپنائے جاتے ہیں۔ انہی بنیادی ترین تصورات

کو مبانی کہا جاتا ہے۔

انسان کسی طرح نشو ونما پاتا ہے؟ پلنے اور بڑھنے کے ہر مرحلے (بچپن، بلوغ، نوجوانی، جوانی۔۔) میں اس کے اندر کسی قسم کی روحانی، نفسیاتی اور عملی صفات وجود میں آتی ہیں؟ انسان کی پسند و ناپسند، احساسات، جذبات اور طور طریقے کس رخ میں پروان چڑھتے ہیں اور کس طرح ان کی نشو نما ہونی چاہیے؟ عورت اور مرد کی شخصیت، انکے فطرتی و حیاتیاتی فرق کو کس مرحلے میں علیحدہ مورد توجہ قرار دینا چاہیے؟۔۔۔وغیرہ کے اصول اور طریقہ کار تربیتی مبانی کے ذریعے ہی واضح ہوتے ہیں۔ انسانی عقل و تصور کے اجزاء اور نظام کس طرح کا ہے اور کیسے عمل کرتا ہے؟ انسان اپنے ارد گرد کی اشیاء کو کس طرح درک کرتا ہے؟ اسکا اپنے ماحول کی نسبت عکس العمل کس قسم کا ہوتا ہے؟ اس لامتناہی اسرار سے بھرے موجود کو کس تعلیمی اور تربیتی پروگرام کے کنڑول میں قرار دیا جائے؟۔۔۔ جیسے بے شمار سوالوں کی تشریح و تفصیل تعلیم وتربیت کے بنیادی ترین اصولوں یعنی مبانی میں پوشیدہ ہے۔ جب تک ان سوالوں کا تسلی بخش جواب واضح نہ ہو، انسانی تعلیم اور تربیت کی صحیح اور قابل ستایش منصوبہ بندی نہیں ہو سکتی۔

اس موضوع پر بحث کی ضرورت اور اہمیت

تعلیم وتربیت یا تعلیمی نظام کے مبانی سے آشنایی کی ضرورت اور اہمیت اس مثال سے واضح ہو سکتی ہے۔ فرض کریں ہم ایک شاندار عمارت تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ یقینی طور پر اس عمارت کی بنیادوں اور ان پر وجود میں آنے والی تعمیرات کو ایک ماہرانہ اور تفصیلی نقشے کے تحت اول سے آخر تک پایۂ تکمیل کو پہنچائیں گے۔ اگر یوں نہ کریں تو کبھی بھی اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ اگر ہم زیر زمین بنیادوں کو تو ایک ماہر تعمیرات کے نقشے کے تحت تیار کروایں، جبکہ اوپر کھڑی

ہونے والی عمارت کو کسی دوسرے ماہر تعمیر کے نقشے کے تحت بناوائیں، جسے زیر زمین بنیادوں کے ڈیزائین سے متعلق کچھ بھی معلوم نہ ہو، توآپ خود اندازہ لگائیں اس قسم کی عمارت جسکی بنیادوں اور اوپر تعمیر کی گئ عمارت میں ھم آھنگی نہ ہو تو وہ کتنی پائیدار ہو گی!

بالکل اسی طرح اگر کسی معاشرے کے تربیتی مبانی (تصوری بنیادیں) تو اسلامی ہوں جبکہ جو تربیتی اہداف، عمومی اصول و مبادی، طریقہ کار اور انسانی قابل تربیت پہلووں کا انتخاب کیا جائے وہ مغربی تربیتی مبانی کے تحت ڈیزائن کیا گیا ہو، تو جو نسل ہم معاشرے کو پروان چڑھا کر پیش کریں گے اسکی شخصیت کتنی پائیدار اور پر اعتماد ہو گی؟ نیز وہ نسل اپنی انسانی، دینی، سماجی اقدار، اجتماعی تصوارت اور اخلاقی نظریات کی کتنی پاسداری کرنے والی ہو گی؟

انسان جب کوئی اصول بناتا ہے تو اس کے پیچھے لازما اخلاق، معاشرت اور تمدن کا کوئی خاص نقشہ (تصور و نظریہ) ہوتا ہے، جس کے مطابق وہ اپنی زندگی ڈھالنا چاہتا ہے۔ اسی طرح جب وہ اپنے کسی اصول یا قدر کو پایمال کرتا ہے تو وہ دراصل اپنے نظام اقدار اور نظام حیات کے بنیادی تصورات جن پر وہ اصول اور اقدار قائم تھیں انہیں توڑتا ہے۔

آج مسلمانوں کے درمیان اسلام کے سنہری اصولوں اور تعلیمات کے مفقود ہونے کی سب سے بڑی وجہ ہمارے مبانی وبنیادی تصورات میں اور ہمارے تربیتی و تعلیمی نظام کے اصولوں، اہداف اور طریقہ کار میں پایا جانے والا تضاد ہے۔ یہی تضاد ہمارے حقیقی دینی تصورات کی جڑیں کھو کھلی کر نے کا باعث بن رہاہے۔ حتی ہماری نسل کا ایک بڑا حصّہ اس تربیت کے نتیجے میں اپنی عتماد سے عاری اور شکست خوردہ روح کی وجہ سے مغربی تعلیم کے ساتھ وہاں کی تہذیب اور فلسفہ حیات اور مبانی کو بھی بعینہٖ قبول کر رہی ہے۔ یہاں سے ہمیں اس موضوع پر بحث کی ضرورت اور اہمیت کا

احساس ہوتا ہے۔

طرۂ امتیاز یہ کہ ذرائع ابلاغ کے اس جدید ترین دور میں ہماری تہذیب، ثقافت، دینی و انسانی اقدار دوسرے ادوار کی نسبت ویسے ہی مغربی تہذیبی یلغار کی زد پر ہیں۔ ہماری مزید ذرا سی غفلت و کوتاہی ممکن ہے ہمیں تہذیبی عالمگیریت (Cultural Globalization) کی سیاست کے بھنور میں، اپنی تہذیب و ثقافت اور تصورات سمیت ایسا ڈوبائے کہ ہم اپنی پہچان اور شناخت سے ہی ہاتھ دھو بیٹھیں۔

تاریخی طور پر انسانوں کے لئے کسی بھی چیز کے جانچنے اور سمجھنے کے لئے موازنہ اہم ترین اور موئثر طریقوں میں سے ایک ہے۔ اس بحث میں ہم تہذیب و ثقافت کے بنیادی ترین پہلو، یعنی تعلیم وتربیت (تعلیمی نظام) کے فلسفی مبانی کا اسلامی اور عصری مغربی تصورات وافکار کی روشنی میں موازنہ کریں گے۔ ممکن ہے اس طرح ہم حالیہ اخلاقی انحطاط اور تربیتی تنزل کی وجوہات کو سمجھنے اور انکی روک تھام کیلیئے صحیح سمت میں قدم اٹھا سکیں۔

مفاہیم:

ا۔تربیت:

لفظ تربیت عربی میں۔"ربو" بمعنی زیادہ ہونا سے لیا گیا ہے۔"ربا الشئی: ای زاد و نما"[۱] یعنی چیز زیادہ ہوئی اور پروان چڑھی۔ اور انسانی تربیتی مباحث میں، تربیت کا لفظ اور مفہوم، انسانی استعداد کی پرورش یعنی ایک شخص کی استعداد کو پروان چڑھانے کے لئے شرایط کی فراہمی پر دلالت کرنا ہے۔

اردو لغت میں تربیت کا معنی تعلیم، تادیب، اخلاق و تہذیب کی تعلیم، سکھانا، سدھانا، پرورش

بیان ہوا ہے[۲]۔

البتہ تربیت کے بارے میں مختلف افراد نے اپنی مخصوص علمی قابلیت اور تجربہ کی بناپراور حیات انسانی سے متعلق اپنے تصورارت و نظریات کی رو سے مختلف تعریفیں پیش کیں ہیں۔ ہر ایک زیادہ تر کوئی خاص انسانی پہلو اجاگر کرتی ہیں، اس بناپر ایک مکمل اور جامع تعریف کے زمرے میں شمار نہیں ہوتیں۔ مثلاً تعلیمی میدان میں مصلحت اندیشانہ فلسفی نظام فکر (Pragmatism) کے پیرو معروف اور بااثر امریکی مفکر جان ڈیوی[۳] ((JohnDewey کے مطابق، بچوں کو آغاز سے ہی ڈیمو کریسی کی مشق کرانی چاہیے، جبکہ جان شاتو (Jean Chateau)[۴] کی نظر میں تربیت یعنی ایک آزاد اور منظّم شخصیت اور بااخلاق فرد بننے کے لیئے بچے کی مدد کرنا ہے۔قرآن وحدیث میں تربیت کے لفظ کی جگہ تزکیہ اور تأدیب کا لفظ زیادہ تر استعمال ہوا ہے۔ تزکیے اور تربیت کا مشترک معنی پرورش اور پروان چڑھانا ہی ہے۔

۲۔ تعلیم:

عربی لغت میں، التعلم :اختص بما یکون بتکریر و تکثیر حتی تحصل منہ اثر فی نفس المتعلم۔[۵] تعلیم مخصوص ہے ایک عمل کی تکرار اور کثرت سے تاکہ سیکھنے والے کے نفس پر اسکا اثر حاصل ہو۔

اردو لغت میں : تعلیم سے مراد علم پڑھنا، ہدایت، کسی کو کچھ سکھانا، پڑھانا، تہذیب بیان ہوا ہے۔قرآن وحدیث کی روشنی میں علم کی ماہیت ایک نور کی مانند ہے جو خداوند متعال کی جانب سے خاص شرائط میں قابل اور باصلاحیّت نفوس کو عطا ہوتا ہے، لہٰذا حقیقی معلم ذات خداوند متعال ہے جو علمی کمالات کو بااستعد انسانی نفوس کو عطا فرماتے ہیں۔ تعلیم کے بارے میں بھی

تربیت کی طرح مختلف تصورات اور نظریات کے تحت کئی تعریفیں موجود ہیں۔

۳۔ تعلیم اور تربیت کا آپس میں رابطہ:

اردو زبان میں بعض اوقات تعلیم کی جگہ تعلیم اور تربیت اکٹھے استعمال ہوتے ہیں جبکہ اوپر بیان کی گئی تعریف میں تعلیم کے اور تربیت کے علیحدہ علیحدہ اردو اور عربی میں اور آیات اور روایات کے علاوہ بعض دوسرے مفکرین کی نظر میں معنی بیان کئے ہیں۔

عمومی طور پر لفظ۔" تربیت" کا مفہوم لفظ تعلیم سے وسیع تر ہے، اور جب تعلیم و تربیت اکٹھے استعمال ہوتے ہیں تو یہ اصطلاح (مرکب) لفظ تربیت کے تقریبا معادل ہی ہے۔ بعض مغربی زبانوں میں ایجوکیشن (Education) کا لفظ اسی مفہوم کا ہم معنی ہے۔ کیونکہ خود لفظ ایجوکیشن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ دو دیگر الفاظ سے مشتق ہے۔

الف: Educare ب: Educere

پہلے لفظ (Educare) کا وسیع معنی ہے جو حیوان اور انسان دونوں کے بارے میں استعمال ہوتا ہے، جسکے معنی پروان چڑھانا اور شکل و صورت دینا (تہذیب) ہیں جبکہ دوسرے لفظ (Educere) کے معنی باہر کی طرف ہدایت کرنا اور پرورش کرنا اور انسان کی بالقوہ توانائیوں کو عملی کرنا ہے؛اس لحاظ اس انسانی پہلو سے دوسرے لفظ کی اہمیت اور حیثیت زیادہ ہے۔

لہذا تعلیم یا تعلیم و تربیت مترادف ہے Education کے، جس میں استاد کا عمل اور اقدامات شامل ہیں جن کا مطلوبہ نتیجہ اور اثر شاگرد پر پڑتا ہے۔ لہذا نظام تعلیم میں استاد کے کردار سے جو ضروری شرائط اور ابتدائی مراحل کی تیاری میں انتہائی اہم ہے کوئی غافل نہیں ہو سکتا[۶] ۔

۴۔ مبانی، اصول (و مبادی) اور طریقہ کار

مبانی: تربیتی علوم کی اصطلاح میں مبانی اور اصول و مبادیات کے لیے مختلف معانی ذکر ہوئے ہیں بعض کے مطابق: تعلیم اور تربیت کے مبانی انسان کی موقعیت، امکانیات اور حائل روکاٹوں اور انسانی زندگی کی اہم ضروریات سے متعلق بحث کرتے ہیں[۷]۔

ایک تعریف میں مبانی سے مراد ان نظری علوم کا سلسلہ ہے جن کا موضوع انسان ہے، جس میں تصور کائنات، تصور انسان اور تصور علمیات (علم العلم) شامل ہیں۔ان معارف کا تعلق انسانی فکر و عقیدے اور تصور حیات کے اصولوں سے ہے[۸]۔

ایک اور تقسیم بندی میں فکری اور نظریاتی علوم (Pure Siences) کے "اصولوں" کو عملی علوم (Applied Siences) کے "مبانی" قرار دیا ہے۔

جبکہ شہید مرتضی مطہری اس ضمن میں فرماتے ہیں: جو کچھ حکماء اور فلاسفر حکمت کی تقسیم بندی میں حکمت نظری (Theoretical Wisdom) اور حکمت عملی (Practical Wisdom) میں پیش کرتے ہیں، اسے ہی ایک دوسرے پہلو سے مبانی اور اصول کہہ سکتے ہیں[۹]۔

حکمت نظری (مبانی) یعنی "کائنات کا ادراک (تصوّر کائنات) کرنا جس طرح کہ موجود ہے" اور حکمت عملی (اصول) یعنی "طرز حیات کا ادراک (تصوّر حیات) جیسا کہ لازمی ہے"۔ اصول ہمیشہ مبانی سے طے پاتے ہیں اور مبانی کے تابع ہوتے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں ملزومات (لازمی ہونا) ہمیشہ موجودات (موجود ہونا) کا منطقی نتیجہ ہیں۔ اس لحاظ سے مبانی جس قدر حقیقت سے نزدیک تر ہوں گے اصول اور مبادیات اتنا ہی موثر اور

قابل اعتماد ہوں گے، چونکہ اصول اور مبادیات ایسے قواعد اور ضوابط ہیں کہ جن کی ہر علمی اور عملی میدان کے ماہرین اور صاحب نظر افراد پابندی کرنا فرض سمجھتے ہیں۔

مبادی: اردو لغت میں مبادی (کسی موضوع یا علم کے) ابتدائی امور، بنیادی باتیں[۱۰] ہیں۔ علمی اصطلاح میں مبادیات کی تصوری اور تصدیقی مبادی میں تقسیم کی جاتی ہے اور ہر علم کے اہم مفاہیم کی تعریفیں اور اور اس سے متعلق اصول متعارفہ اور اصول موضوعہ وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔

اصول: بنیادیں باتیں جن سے ضمنی مسائل یا فروعات پیدا ہوں خصوصا کس علم یا فن کے کلیات و مسلمات۔ تربیت سے مربوط علمی اصطلاح میں اصول وہ تصورات، نظریات اور عمومی قواعد ہیں جو تربیتی امور کے زیادہ تر موارد میں صادق ہوں اور تربیتی اساتذہ کے تمام امور میں راہنمائی کریں[۱۱]۔

بعض اوقات کسی موضوع یا مضمون میں مبادی اور اصول میں کسی تفریق کے بغیر دونوں کو مترادف صورت میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جبکہ اصول جب مبادیات کے ہم پلہ قرار پاتے ہیں تو ان سے مراد بنیادی اصول ہوتے ہیں اور جب یہ لفظ مبادی کے معنی سے ہٹ کر استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد عمومی اصول یا کلیات منظور ہوتے ہیں جو مبادیات اور بنیادی اصولوں کی بنیاد پر بنائے اور مرتب کئیے جاتے ہیں۔ جبکہ خود مبادیات کا تعین مبانی سے کیا جاتا ہے۔

طریق کار: کام کرنے کا طریقہ، راستہ، طرز یا روش۔ تربیتی طریق کار، طرز عمل یا روش وہ دستور العمل ہیں جو ہمیں اپنے مورد نظر ہدف اور مقصد تک پہنچنے کے لیے بتاتے ہیں کہ کب، کیسے اور کیا کرنا چاہیے۔ در واقع طریق کار، اصولوں کی نسبت جزئی تر قواعد و ضوابط ہیں جو اصولوں پر

مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ تربیتی مبانی، اقدار، ماحول، موجودہ شرائط اور اہداف کے تناظر میں معین، مکمل اور مفصل تر دستور العمل ہیں۔

تربیتی طریق کار نظام تربیت کا وسیع ترین حصّہ ہونے کے ساتھ تربیت کا انتہائی مشکل اور اہم ترین مرحلہ بھی ہے، صحیح اور موئثر طریق کار اور روش کا انتخاب صرف وہی استاد اور تربیت کرنے والا کر سکتا ہے جو تربیت کے اہداف اور اصولوں سے پوری طرح آگاہ اور ماہر ہو۔

۵۔ مغرب سے مراد:

جس تہذیب کو آج کل ہم مغرب سے نسبت دیتے ہیں وہ اس کا منفی پہلو ہے، لیکن اس بات پر توجہ رکھنی چاہیے جس منفی پہلو کو ہم مغرب کی طرف نسبت دیتے ہیں وہ مغربی تمدن میں پیدا ہونے والے دین مخالف اور خدا مخالف تاثرات ہیں اور یہ موضوع نہ مغرب کی جغرافیائی حدود سے کہ جو بھی وہاں زندگی بسر کر رہا ہو لازمی طور پر اس قسم کے انحراف اور برائی میں مبتلا ہو گا؛ اور نہ ہی وہاں کی ساری تاریخ سے کہ وہاں اس قسم کی تہذیب ہمیشہ رائج رہی ہو؛ اور نہ ہی آج یہ بات عمومیت رکھتی ہے اور سب کو اس انحراف اور برائی کا حامی شمار کرتی ہے۔ اس وقت بھی مغرب کی سرزمین پر ایسے لوگ موجود ہیں کہ جو اس تہذیب کے خلاف ہیں جیسا کہ گذشتہ زمانوں میں بھی مخالفت کرنے والے موجود رہے ہیں۔ جس فلسفے کی آج ہم مزمت کرتے ہیں وہ مغربی تہذیب اور ثقافت کا وہ فلسفہ ہے، جسکی جڑیں مادہ پرستی (Materialism) میں گڑھی ہوئی ہیں [۱۲]۔

لہٰذا مغرب سے مراد وہ فلسفہ، تہذیب اور نظریاتی مبانی ہیں جو مادہ پرستی کی بنیاد پر خدا دین اور الوہی اخلاق کی تکذیب پر مبنی ہے، اس لحاظ سے مشرقی اشتمالیت (کیمونزم) اور مغربی انسان پرستی (ہیومن ازم) میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ دونوں کی ہی بنیاد خدا اور دین کے انکار پر رکھی گئی ہے اور

ایک ہی استعماری سکّے کے دو رخ ہیں۔

۶۔ تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی کی وضاحت:

تعلیم و تربیت کا موضوع چونکہ "انسان" ہے۔اس لیے ہر نظریاتی مکتب انسانی تربیت کے ضمن میں انسان کی ماہیت، اسکی خلقت، کائنات میں اسکے مقام، حیات کے آغاز، ہدف اور حیات کے اختتام سے متعلق دوسرے مکاتب کی نسبت مکمل اور بہتر جواب دینے کی تگ و دو میں رہتے ہیں۔ انسان جب اپنے اطراف میں نگاہ دوڑاتا ہے تو کئی بنیادی سوالات جنم لیتے ہیں، جیسے ارد گرد نظر آنے والے موجودات، آیا بہت سے وجودات ہیں یا ایک وجود؟ اگر وجودات کی کثرت ہے، تو کیا انکا آپس میں کوئی رابطہ ہے یا نہیں؟ اگر رابطہ ہے تو کیا یہ ایک نقطہ پر ختم ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ایک نقطہ پر ختم ہوتا ہے تو کیا وہ نقطہ مادی ہے یا غیر مادی؟

ہر مکتب کا تصوّر کائنات (جہان بینی) ان سوالات پر استوار ہوتا ہے، اور جو علم ان سوالات کے جوابات فراہم کرتا ہے اسے فلسفہ کہتے ہیں۔ تصوّر حیات یا نظام زندگی (ایڈیولوجی) اسی تصوّر کائنات کی بنیاد پر تشکیل پاتا ہے اور انسانی عملی زندگی کی اساس مہیا کرتا ہے۔

تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی کی بحث، تعلیم و تربیت کے کلیات پر مبنی (فلسفہ تعلیم و تربیت کی) بنیادی نظریاتی مباحث کی اہم ترین بحث ہے۔ جیساکہ مبانی کی تعریف میں ذکر ہوا ہے کہ مبانی انسان کی موقعیت اور خصوصیات کو اسکی زندگی اور روزمرہ رویّے کے لیے واضح کرتے ہیں۔ لہٰذا تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی تعلیم و تربیت کے موضوع یعنی "انسان"، کی خلقت اور ہستی میں مقام اور روابط کی حقیقی تعریف و تفصیل کی تشریح کرتے ہیں۔اس سے بڑھ کر تربیت کے عمومی اہداف، اصول اور طریق کار جو کہ تربیتی لوازمات کا ایک سلسلہ ہیں وہ بھی ہر مکتب کے فلسفی مبانی

سے ہی متاثر اور واضح ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا وضاحت کی روشنی میں تعلیم وتربیت کے فلسفی مبانی کی بحث میں درج ذیل چار پہلوؤں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اور اسلامی اور مغربی تعلیم وتربیت کے فلسفی مبانی کا انہی چار پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے موازنہ کریں گے۔

۱۔ تعلیم وتربیت کے تصور علمیات (علم العلم) سے متعلق (Epistemological) مبانی

۲۔ تعلیم وتربیت کے تصور کائنات سے متعلق (Ontological) مبانی

۳۔ تعلیم وتربیت کے نظام اقدار سے متعلق (Axiological) مبانی

۴۔ تعلیم وتربیت کے تصور انسان سے متعلق (Anthropological) مبانی

انسان سے مربوط کئی دوسرے عوامل نفسیات، معاشرت، شہریت، ثقافت۔۔۔ وغیرہ بھی تعلیم وتربیت پر اثر انداز ہوتے ہیں، لیکن یہ سب اوپر ذکر کیئے گئے چار نسبتاً کلی اور بنیادی امور کی بہ نسبت جزئی اور فرعی شمار ہوتے ہیں۔اس لیے اپنی بحث میں تعلیم وتربیت کے فلسفی مبانی میں انہی چار نسبتاً کلی اور بنیادی امور کے بارے میں مغربی اور اسلامی طرز فکر و نظر کا مختصراً تقابلی جائزہ پیش کریں گے، اور آخر میں نتیجہ نکالیں گے۔

مغربی تعلیم وتربیت کے فلسفی مبانی

ہر فکری اور نظری مکتب انسانی، ماہیت اور شخصیت، آغاز خلقت، اختتام اور دنیاوی زندگی کے بارے میں اٹھنے والے سوالات کے جواب میں یہی کوشش کرتا ہے کہ دیگر مکاتب سے بہتر اور مکمل تر جواب پیش کرے، جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان تمام مکاتب کے جوابات میں سے صرف ایک ہی مکمل طور پر انسانی حقیقت سے متعلق درست ہو سکتا ہے، چونکہ کسی بھی موجود کی

معروضی حقیقت ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ مغربی مکاتب فکر کی اکثریت انسان کی پیدائش ،ذات اور تعریف اور اس طرح اس کے تعلیم وتربیت سے متعلق تصورات اور نظریات روحانی اور ماوراء طبیعت سے قطع نظر صرف مادی پرستانہ تفسیر پر منحصر ہیں۔ اسی لیے مغربی تربیتی فلسفے جو تعلیم و تربیت کے موضوع پر خدا اور دین کے بارے میں اگر کسی بھی قسم کے منفی یا مثبت عقیدے کا اظہار نہ بھی کر رہے ہوں، تو پھر بھی عملاً، عمدی یا غیر عمدی طور پر، دین کا انکار اور سیکولر نظریات کی ترویج کرتے نظر آتے ہیں اور انکے تربیتی اہداف و انسانی کمال صرف اسی مادی دنیا تک محدود ہیں۔

نفی دین کے علاوہ کئی مغربی مکاتب نے انسانی قدر و منزلت کو اسی عالم میں حد سے بڑھا کر پیش کیا تو کسی نے اس کی انتہائی پست حیثیت پیش کی۔ وہ مکاتب جنہوں نے انسان کی افراطی شناخت کروائی، ان میں مکتب اصالت ہستی (Existentialism) جس کے بانی ''کی یر کگارد'' (Kier Kegaard) اور ''نطشے'' (Nietzsche) مانے جاتے ہیں اور مکتب انسان پرستی (Humanism) جس نے انسان کو اس عالم کا محور اور خدا قرار دیا، جبکہ جن مکاتب نے انسانی منزلت کو اپنے مقام سے گھٹایا، تو انہوں نے یا تو انسان کو مشین میں لگے پرزے کی مانند شمار کیا جو نہ کسی ارادے اور نہ ہی اختیار کا حامل ہے یا انسان کی خواہشات، ضروریات اور شوق و رغبت اور احساسات کو دیگر حیوانات کی مانند فرض کیا، جن میں '' فرویڈ'' کا مکتب نفسی تحلیل (Psycho-Analysis) ''جرمی بنتام'' کا مکتب افادیّت (Utilitarianism) ''اپیکور'' کا مکتب لذّتیّت (Epicureanism) ...وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام مکاتب نے انسانی نظریات، وقت اور سرمایے کو کسی ایک خاص جزئی انسانی پہلو کی طرف متوجہ رکھا اور اس کے برتر اور بلند مرتبہ

پہلوؤں سے غفلت برتتے رہے[۱۳]۔

مغربی تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی کے جائزے میں صرف عصر حاضر کے اہم ترین اور رائج نظریہ انسان پرستی (Humanism) پر توجہ مرکوز رکھیں گے جو تقریباً سولہوین صدی سے بقیہ تمام اخلاقی، ہنری، ادبی، سیاسی، تربیتی اور عقیدتی تصورات پر خدا محوری کی بجائے انسان محوری کے عنوان سے حاوی چلا آرہا ہے اور سیکولرزم کے ساتھ مل کر یہ دو نظریے مغربی لیبرل ڈیموکریٹک سرمایہ دارانہ نظام کے دو پروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیبرل ڈیموکریسی مکتب فکر کے ایک مفکر ''فرانسس فوکویاما'' کے بقول: نظریّاتی لحاظ سے مغرب جہاں پہنچ چکا ہے وہاں فکری ارتقاء کے حوالے سے انسانی تاریخ اپنی انتہاء کو پہنچ چکی ہے! [۱۴]

۱۔۲) **مغربی** تعلیم و تربیت کے **تصور علمیات سے متعلق مبانی**:

تصور علمیات فکری اور نظری عملیات کا وہ علم ہے، جو موضوع انسانی اور اس کے تصوراتی نظام اور معروضی حقائق کے رشتے کے بارے میں سوچ و بچار کے عمل کی حیثیت کا جائزہ لیتا ہے۔ تعلیم و تربیت کے بنیادی ترین ارکان میں معروضی حقائق کی تسلی بخش آگاھی اور شناخت اہم ترین رکن ہیں۔ اس لیے علم و معرفت کے حصول کے امکان، وسائل، منابع اور موضوعات کے مجموعے کو تعلیم و تربیت کے **علمیاتی یا** معرفت شناسانہ (Epistemological) مبانی کے عنوان کے تحت مورد مطالعہ قرار دیا گیا ہے۔

یہاں اہم ترین سوال یہ ہے کہ کیا معروضی حقائق تک اپنے نفس، انا اور تعصب کے دخل اندازی کے بغیر، واقعی اور معروضی حقائق تک انسان کی رسائی ممکن ہے تاکہ تعلیم و تربیت کے ذریعے حقائقِ اشیاء کی دریافت اور قوانین قدرت تک رہنمائی اور صداقتوں تک رسائی حاصل

کرنے کی راہ بھی ہموار ہوسکے۔

ایپسٹی مالوجی یونانی "ایپس ٹے مے" بمعنی علم، "لوگس" بمعنی بحث سے مشتق ہے۔ اس مرکب لفظ کا صحیح ترجمہ مبحثِ علم یا علمیات سے موسوم ہے۔ علمیات وتدقیق کی ابتداء ان شکوک اور اوہام سے ہوئی جو ہمارے طریق علم اور علمی نتایج کے معتبر اور صحیح ہونے پر کئے گئے تھے [۱۵]۔

تاریخی طور سے مغرب کی علمی میراث قدیم یونانی فلسفے کی مرہون منت ہے، اور جہاں تک کی تاریخ کے باقاعدہ آثار موجود ہیں (تقریباً ۶۰۰ سال قبل عیسوی) مغربی فکر الوہی عقل سے دوری کی بناء پر ابتداء ہی سے "آرخہ" (یعنی کائنات کے مادۃالمواد یا عنصر اولیہ) پر اختلاف کی وجہ سے سوفسطائیوں کی شکیّت (ارتیابیت Scepticism) اور استقرائی و تجربیّت کے بھنور میں غرق معروضی حقائق اور واقعیت کی شناخت سے کوسوں دور دیکھائی دیتی ہے، جس سے آج تک وہ چھٹکارہ نہیں پا سکی۔

عہد وسطیٰ کی آخری صدی میں پورے یورپ میں کافی ساری تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ دوسری طرف خدا اور وحیانی عقل سے جدائی نے مغربی فکر و نظر کے سامنے آہستہ آہستہ مشکلات کا ایک ڈھیر لگا دیا۔ اس اکھاڑ پچھاڑ میں جس میں لوگوں کی فکری اور فلسفی بنیادیں ڈھیر ہوئیں اور عقاید اور ایمان کی تبدیلی رونما ہوئی متفکرین اور محققین کے ذہنوں میں اس شبہ نے جنم لیا کہ کیسے اطمینان اور یقین حاصل ہو کہ ہمارے حالیہ عقاید اور تصوّارات بھی غلط نہیں ہیں؟ اور ایک دن وہ بھی باطل ثابت نہ ہوں گے؟ اور کیسے پتا چلے کہ جدید علمی دریافتیں بھی "بطلیموسی" نظام کی طرح ایک دن اسی بطلان کا شکار نہیں ہوں گی؟ یہاں تک کہ مونتی جیسے بڑے مفکر نے تو علم و دانش کی

قدر کا سرے سے انکار کرتے ہوئے واضح لکھا کہ کس طرح یقین پیدا کریں کہ ایک دن "کوپرنیک" کے نظریات بھی باطل نہ ہوں گے؟ اس نے ایک بار پھر قبل از مسیح کے سوفسطائیوں اور شکاکوں کے شبہات کو نئے پیرائے میں بیان کرتے ہوئے ارتیابیت (Scepticism) کا بھرپور دفاع شروع کر دیا اور ساتھ ہی اسی زمانے میں فرانسس بیکن نے اسی شکاکانہ ذہنیت کو دور کرنے کے لیئے تجربیت (Empiricism) کی بنیاد رکھی اور انسان میں ہر قسم کے فطری علم کی موجودگی کا انکار کیا۔ یوں سولہویں صدی کے شروع میں مغرب میں شکّیّت (ارتیابیّت) اور تجربہ پسندی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا[۱۶]۔

"میں شک کر رہا ہوں لہٰذا میں ہوں"، یہ جملہ تھا معروف فرانسیسی فلاسفر ڈکارٹ کا جس نے اس متزلزل فکری دور میں فلسفی مسائل کے حل کے لیے سر توڑ کوششیں کی. لیکن ڈکارٹ کی طبیعت سے متعلق میکینکل فلسفی تفسیر (Mechanical Philosophy) اور فطرتی معرفت کے تصوّر، اور ساتھ ہی اس زمانے کے حالات جن کے تحت عمومی طور پر علمی حلقے فلسفیانہ مسائل اور ماوراء طبیعت سے بے توجہ، صرف حسی اور تجربی علوم میں ذوق و شوق کا اظہار کر رہے تھے، یورپ میں کسی باقاعدہ تسلی بخش فلسفی مکتب کو وجود میں نہ آنے دیا۔ آہستہ آہستہ اس حسی اور تجربی علوم کے شوق نے افراطی شکل (Scientism) اختیار کر لی اور معروضی حقائق کی معرفت کا معیار مادی و حسی تجربہ قرار پایا۔

فکر و نظر کے اس بنتے بگڑتے دور جب کوپرنیک اور کیپلر کے نظریات نیوٹن کے جدید نظریات نے توڑے تو ماوراء طبیعت اور روحانی اساس سے جدا تجربی علوم میں منہمک مفکرین کے لیے ایک اور زبردست دھچکا تھا۔ اس کے نتیجے میں مغربی معاشرے میں شکّیّت کی تیسری لہر سترویں صدی

کے اواخر سے اٹھارویں صدی تک حس اور تجربہ پرستانہ تصوّر کے حامل تین انگریز فلاسفروں بالترتیب جان لاک، بارکلے اور ڈیوڈ ھیوم کے ذریعے ایک مرتبہ پھر اٹھی۔ ماوراء طبیعت پر شکوک اور شبہات میں رہتی کسر ہیوم کے بعد جرمنی فلاسفر ایمانویل کانٹ نے اپنے عینیّت (Subjectivism) کے نظریے سے پوری کرڈالی۔ کانٹ کے نظریے کے مطابق علم محض داخلی چیز ہے اور حقیقت کا کوئی ظاہری معیار نہیں ہے۔ اس کے بقول جو چیز ذہن پر عکس باندھتی ہے (Phenomenon)، اور جو چیز معروضی طور پر موجود ہے (Noumenon)، ایک سی نہیں ہیں۔ اشیاء جس طرح موجود ہیں (Objective) قابل شناخت نہیں، کانٹ نے کسی حد تک پایمال ہوئی اخلاقی اقدار کو زندہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا مگر دوسری طرف فلسفہ ماوراء طبیعیت (Metaphysics) کی بنیادوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

عصر حاضر کے امریکی مصلحت اندیشانہ مکتب (Pragmatism) کے جان ڈیوی جنہیں افلاطون اور "روسو" کے بعد تعلیم وتربیت کے میدان میں اہم ترین فلاسفر شمار کیا جاتا ہے، شناخت کے بارے میں انکا تصوّر، ڈاوین کے ارتقائی نظریے (Evolution Theory) اور نفس شناسی پر مبنی ہے، ساتھ ہی تجرباتی فطرت (Empirical Naturalism) پر اعتقاد کے ناطے خدا، دین اور اخلاق کے منکر ہیں۔

در حقیقت علم معرفت شناسی یا علمیات (Epistemology) اسی مغربی متزلزل ذہنیت اور ارتیابیّت کی بناء پر یورپ میں ہی تشکیل پایا تھا، جہاں مادی عقلیّت (Rationalism) نے بشری زندگی کی راہ وروش کی پہچان کے لیے وحی کی جگہ سنبھالی ہوئی ہے اور علم کی پوجا (Scientism) نے دین کی مخالفت کا پرچم بلند کر رکھا ہے۔ حتی خود عقل کو بھی جو ۱۷ اور ۱۸ صدی میں برتری

حاصل تھی، وہ بھی ۱۹اور ۲۰ویں صدی کے بعد حس اور تجربہ پرستی (Empiricism) نے لے لی ہے۔ نتیجتاً آج مغرب میں معرفت شناسی کا کوئی ایک معیار نہیں۔ کوئی حقیقت کو ہر وہ فکر قرار دیتا ہے جو انسان کے لیے مفید ہو، کسی کے نزدیک حقیقت حس اور تجربے سے ثابت ہونے والی معرفت ہے، کسی کے نزدیک ہر وہ چیز جو عمومی طور پر ایک عقلمند قبول کرے حقیقت ہے، تو کہیں حقیقت ایک اضافی (Relative) امر ہے ہر ایک کی فہم کے مطابق [۱۷]۔

خلاصہ یہ کہ جب معروضی حقائق کی یقینی معرفت کے حصول کے کوئی متفقہ با وثوق مبانی یا ذرائع ہی نہ ہوں تو انسانی تربیتی اصولوں کے وضع کرنے کا کونسا منبع اور طریقہ قابل اطمینان قرار پا ئے گا!

۲۔۲) مغربی تعلیم و تربیت کے تصوّر کائنات سے متعلق مبانی:

مغرب زمین پر نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) اور خاص طور سے جدیدیت (Modernism) کے دور میں کئی فلسفی مکاتب نے جنم لیا اور ہر ایک نے اپنے تصوّر کائنات کی تفسیر سے ملحدانہ تہذیب کے پھیلاؤ میں موثر کردار ادا کیا۔ جیسے ڈکارٹ اور اسکے طرف داروں کا عقل پسندانہ مکتب، بیکن، جان لاک، ہیوم وغیرہ کا حس اور تجربہ پرستانہ مکتب، بنتھام اور جان اسوارٹ میل کا خالص افادیت پسند مکتب یا کانٹ کا عینیت پسند مکتب جو عقل پرستی اور تجربہ پسندی کا آمیزہ ہے، ھیگل کا ڈایالیکٹک اور مارکس کا ملحدانہ مادی پرستانہ مکتب، ویلیام جیمز اور جان ڈیوی وغیرہ کا مصلحت پسندی کا مکتب یا کی کیگور کا وجودیت پرستانہ مکتب۔۔۔ان میں سے ہر ایک نے مختلف زمان و مکان میں ظاہر ہو کر دین کی مخالفت اور ملحد تہذیب کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان مکاتب کے باہمی اختلافات کے باوجود، جیسے ان میں سے بعض کے رہنما مذہبی تھے اور بعض کے

مادہ پرست اور بعض موارد میں تو ان کے اختلافات انتہای بنیادی نوعیت کے بھی تھے، مگر سب کے سب ایک مسئلہ میں متحد اور متفق تھے، اور وہ کلیسا اور دین کی حکمرانی کی مخالفت تھی، چاہے جو اس منحرف عیسائی دین میں اصلاح کے خواہشمند تھے یا دین کو خرافات اور معاشرے کے لیے نشہ قرار دیتے تھے، سب ہی نے ملحدانہ اور مغربی انسان پرستانہ تہذیب کے پھیلنے کے اسباب مہیا کیے [۱۸]۔

آج یہی انسان پرستی اپنی جدید شکل میں انسان کے خدا کو خود انسان قرار دیتی ہے۔ یہاں تک کے مذہبی امور میں بھی اس طرح انسان پرستانہ تصورات کی تلقین کی جاتی ہے، کہ مرنے کے بعد تدفین کے موقع پر بھی دفن کے مراسم کے لیے ایسا لیٹریچر تیار کیا گیا ہے جس کی چھوٹی سی عبارت میں بھی خدا کی طرف اشارہ موجود نہیں۔ جدید دور کے انسان پرستوں نے انسان کی ابدی زندگی اور موت کے بعد حیات کے انکار جیسی کوششوں سے انسانی ضمیر کو صرف اسی چند سالہ زندگی تک محدود کرنے اور اسپر راضی رکھنا چاہا ہے اس تناظر میں انسان پرستانہ مکتب میں تعلیم و تربیت کا نظام اس کے اصول، طریقہ کار اور نصاب (Syllabus) ایک خاص شکل اختیار کر جائیں گے۔ تعلیم و تربیت کی حدود اس مادی جہان تک محدود ہو کر رہ جائیں گی، اور انسان کی مادی ضروریات اور رجحانات کی سطح سے آگے نہ بڑھ پائیں گی۔ لہٰذا انسان اس طرح تعلیم حاصل کرے گا اور تربیت پائے گا کہ فقط اپنی ضروریات کی فراہمی اور اپنی ہر خواہش کی تسکین حاصل کر پائے اور یہی مغربی انسانی تعلیم و تربیت کے مراحل میں سب سے اعلی کمال کا مرحلہ ہے۔

مختصر یہ کہ مغربی تربیتی نظام کے ہستی شناسانہ تصورات میں انسان پرستی (Humanism) اور دین سے جدائی (Secularism) یا سیکولرازم دو اہم ترین محور ہیں۔ جنکا مختصر تعارف ذیل میں پیش کیا جارہا ہے [۱۹]۔

الف: انسان پرستی (Humanism):

انسان پرست، انسان اور اس میں موجود توانائیوں کی طرف افراطی توجہ کی بناء پر تمام الوہی اور ماوراء طبیعی اقدار کا انکار کرتے ہیں اور اس جہان ہستی کا محور اور معیار انسان کو قرار دیتے ہیں، در اصل انہوں نے انسان کو خدا کی جگہ لا بٹھایا ہے۔

یہ تصورات دراصل عہد وسطی میں بادشاہوں، زمینداروں (فیوڈلز) اور عیسائی پادریوں (علماء) کے ظالمانہ رویوں کے خلاف رد عمل کے طور پر ابھرے تھے۔ پہلے پہل اس تحریک کا آغاز ادبی اور ثقافتی حلقوں میں، عہد وسطی سے پہلے کے یونانی اور قدیم رومی ادب کی تجدید کے ذریعے انسانیت کو زندہ کرنے کے لیے ہوا، بعد کے مراحل میں اس ادبی تحریک نے سیاسی رنگ اختیار کیا اور پھر اگلے مرحلے میں دین، معنویت، وحی وآخرت اور کلیسا کی مخالفت کا رخ اختیار کر لیا۔

انسان پرستی کے تاریخی اعتبار سے مختلف معنی اور تفسیریں موجود ہیں اس تحریک نے پوری مغربی سرزمین کو متاثر کیا۔

انسان پرستانہ فکر کے اہم اصول:

۱۔انسان محوری   ۲۔انسانی آزادی اور اختیار پر تاکید

۳۔انسانی عقلیت پسندی پر افراطی عقیدہ   ۴۔فطرت پرستی (بجائے دین)

۵۔پلورالیزم (کثرتیت یعنی ہر انسان کا عقیدہ اسی کے لیئے درست ہے)

ب: سیکولرازم:

انگریزی زبان میں Secular بمعنی دنیوی در اصل لفظ Sacred یعنی مقدس (دین سے مربوط) کے مقابل ہے۔ لہٰذا سیکولر، یعنی جو کچھ اس جہان سے متعلق ہے اتنا ہی خدا اور الوہیت

سے دور ہے۔ اصطلاحی معنی میں یہ عقیدہ کہ تعلیم وتربیت، اخلاقیات اور سیاست وغیرہ کو مذہب سے جدا ہونا چاہیے [۲۰]۔

مغربی معاشرے کے صاحبانِ اختیار نے جدید تہذیب اور تمدن کی بنیادوں میں ایک طرف تو دین عیسائیت سے بے توجھی برتی تو دوسری طرف فکری اور نظری نظام کی تشکیل میں سیکولرازم کو اہمیت دی، اور سیکولرازم کی تقویت کا باعث بننے والے اصول اور قواعد بنائے جو در اصل مندرجہ بالا انسان پرستانہ تصورات کے ہی ثمرات ہیں۔ بطور مختصر سیکولرازم کی فکری اساس درج ذیل عناصر پر مشتمل ہے۔

۱۔انسان پرستانہ معیار ۲۔عقلیّت پسندی (Rationalism)

۳۔علم محوری {Scientism} ۴۔آزادی (Liberalism)

۵۔جدیدیّت بمعنی نفی دین (Modernism)

عصر حاضر میں جدید مغربی تہذیب یعنی لیبرل ڈیموکریسی کی تمام تر اساس یہی ہیومنزم اور سیکولرازم ہیں۔ لیبرالیزم ایک زمانے میں ظالمانہ حکمرانی کے خلاف اہم ترین نظریہ خیال کیا جاتا تھا لیکن انیسویں صدی میں لیبرل حکومتوں کے وجود میں آنے کے بعد معاشرے کے طاقتور طبقے کا ضعیف طبقے پر حکمرانی کے لیے ایک ہتھیار اور وسیلے کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

مغربی تعلیم وتربیت کے تصوّر کائنات سے متعلق (ہستی شناسانہ) مبانی انہی بنیادی نظریّات کا ماحاصل ہیں۔ نتیجتا تربیتی امور پر حاکم اصول، اہداف اور طریق کار انہی مبانی کے بل بوتے پر تشکیل پاتے ہیں۔

۳۔۲) مغربی تصوّر اخلاق سے متعلق مبانی:

تصور اخلاق یا اخلاقیّت سے مراد اخلاقی قواعد و ضوابط، معیار اخلاق، نظام اقدار[۲۱]، یعنی انسانی طور طریقے اور اقدار کن بنیادی معیاروں یا مبانی پر تشکیل پائے ہیں۔ اقدار اور اخلاق کے مبانی کی مکمل وضاحت اور تفسیر کے بعد ہی ایک جامع اور مستحکم بنیادوں پر تربیتی نظام تشکیل پا سکتا ہے جسکا براہ راست تعلق تعلیم وتربیت یا Education سے ہے۔

ایک معقول اخلاقی نظام کے حصول کے لیے ایک ایسا ہدف ضروری ہے جو ذاتاً قدر و قیمت رکھتا ہو۔ اس ہدف کے تعین میں جو اہم ترین مسئلہ ہے وہ انسان، اس کی قابلیت اور اسکے وجودی امکانیات کی پہچان ہے۔ گذشتہ مباحث میں مختلف مغربی مکاتب فکر کے جائزے میں واضحت کی گئی ہے کہ انسانی قدر و منزلت کا معیار اور پیمانہ ہر مکتب اپنے تصوّر کائنات اور تصوّر انسان کے اعتبار سے متعین کرتا ہے، مثلاً بعض مکاتب انسان کو جب ایک حیوان کے مساوی دیکھتے ہیں تو بلند ترین انسانی ہدف بھی حیوانات کے ہدف حیات کے مساوی قرار دیتے ہیں، یا جب اس جہان میں مادہ پرستانہ تصورات سے زیادہ معرفت کو ممکن نہیں سمجھتے تو انسانی ہدف بھی انکا مادیات سے بڑھ کر متعین نہیں ہو سکتا۔

یہی وجہ ہے عصر حاضر کے معروف ترین امریکی ماہر تعلیم اور عملیت پسند فلسفی جان ڈیوِی تعلیم وتربیت کا ہدف ایک جمہوری شہری کی تیاری قرار دیتے ہیں۔ جان ڈیوِی کے انسان سے متعلق نظریات ڈارون کے ارتقائی نظریے اور میکاولی کے ہدف کی خاطر ہر وسیلے کی مشروعیت کے نظریے سے متاثر ہیں۔ یہی وجہ ہے اپنے آپ کو جمہوری فلسفی کہلاونے والے جان ڈیوِی معاشرے کی ہر مشکل کا حل تحقیق اور سوچ بچار کے ذریعے حل کرنے کے معتقد ہیں۔ اور ہر اس چیز کو جو ہدف

تک پہنچنے میں مدد کرے اسے اپنی نظر سے قبول کرتے ہیں۔ مثلاً خدا کو ایک ماورائے طبیعت الوہی وجود کے قبول نہیں کرتے، لیکن خدا کا معنی آئیڈل (تخلیل پرستی) اور عمل کے درمیان موجود رابطے کو قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا خدا کے لفظ کو انسان کے قابل حصول اہداف اور تخیّلات کی وحدت کے معنی میں قبول کرتے ہیں[۲۲]۔

نتیجتاً اگر کسی مکتب کے، انسان کے بارے میں بلکہ ہستی کے بارے میں فکر و نظر مستحکم اور پائیدار بنیادوں پر مبنی نہ ہو تو اس کے اخلاقی نظریات بھی کمزور اور بے ثمر ہوں گے۔ اسی لیے مختلف اخلاقی مکاتب میں سے ہر ایک نے انواع واقسام کے اخلاقی اقدار کے نظام میں ہماھنگی پیدا کرنے کے لیے جو ایک مرکزی محور اخلاق پیش کرنے کی کوشش کیں ہیں، اس میں انہیں کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ حتیٰ اب تک پیش کئے گئے محوروں میں سے کوئی ایک بھی محور صرف اسی مکتب کی تمام اقدار کو اس محور سے ہماھنگ نہیں کر پایا۔ مثلاً فردی یا سماجی خواہشات یا شخصی اور اجتماعی لذّات یا مفادات وغیرہ میں سے کسی ایک کو بھی اخلاقیات کا اصل معیار اور محور مانا جائے، تو ان میں سے کوئی بھی یہ قابلیت نہیں رکھتا کہ تن تنہا ایک ثابت معیار قرار پاسکے۔ اسی لیے ان مکاتب کے مفکرین اور پیروکار اس معیار کے جو مصداق پیش کرتے ہیں ان میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، اور شرایط کی تبدیلی کے ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ان کا اطلاق کسی معروضی حقیقت اور واقعیت پر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے مغربی معاشرے میں اخلاق کے معیار بغیر کسی سہارے کے اور ہر علاقے کی شرایط اور افراد کے ارادے کے تابع ہیں، یعنی اخلاق ایک اضافی اور نسبتی مفہوم ہے[۲۳]، جسکا لازمی نتیجہ تربیت کے غیر معین اصولوں پر مرتب ہو گا۔

۴۔۲) مغربی تعلیم وتربیت کے تصوّر انسان سے متعلق مبانی:

مجموعی طور پر انسان شناسی انسانی ماہیت اور ذات کی پہچان، نظام کائنات میں انسان کے مقام، انسان کے وجودی پہلوؤں، قابلیتوں، توانائیوں، رجحانات اور معلومات جیسی مباحث پر مشتمل ہے۔ انسان کے اس عالم میں ممتاز اور عظیم کردار کی بناپر اسکی شناخت اور پہچان اہم ترین امور میں سے ہے۔ ساتھ ہی علوم انسانی اور خاص طور سے تعلیم وتربیت کا موضوع ہونے کے ناطے انسان شناسی کی اہمیت دوچندان ہو جاتی ہے۔ ہر تربیتی مکتب کے انسان شناسانہ مبانی اس کے تصوّر کائنات (جہان بینی) سے منسلک ہیں۔ اور ہر جہان بینی اور نظری اور فکری نظام کی قدر و قیمت اس جہاں بینی اور فکری نظام کے حیات انسانی پر اثرات اور اس سے تشکیل پانے والی اقدار سے وابستہ ہے۔ اس درمیان انسانی ذات سے متعلق مسائل کا جواب انسان شناسانہ مبانی کے دائرے میں آتا ہے۔

عصر حاضر کی مغربی تہذیب میں تعلیم وتربیت کے انسانی ماہیت اور حقیقت سے متعلق مبانی ان کی تجربیّت اور حسیّت (Empiricism) پر مبنی طریقہ کار پر منحصر ہے۔ انسانی تعلیم وتربیت کے موضوع پر نفسیاتی علوم کی بھرمار ہے جن کا نظری اور فکری انحصار انسان پرست اور مادہ پرست فلسفیوں کی آراء اور نظریات پر ہے، جن کی اکثریت ماورائے طبیعت اور کسی الوہی نظام پر اعتقاد نہیں رکھتی۔ لہٰذا اس مادہ پرستانہ نگاہ میں انسان کی ماہیت زمینی، زندگی زمینی اور اسکا اختتام اور ہدف بھی زمینی ہے۔ اسی تصوّر کی بدولت مغربی انسان شناسی (انتھروپولوجی) انسان کے جسمانی اور تمدنی حالات کی بحث تک ہی محدود ہے، اور اس کا غیر جسمانی، روحانی اور الوہی پہلو مورد بحث قرار نہیں پاتا۔

عصر حاضر کی مغربی تعلیم وتربیت کے پیچھے عہد وسطیٰ کے بعد کے ڈکارٹ کا مادی جسمانی انسانی

تصوّر، جان لاک کی انسانی میکانیکی تفسیر، جرمن بوخند اور ھیگل کی مادہ پرستانہ انسانی تفسیر، کانٹ، شلینگ، شوپنہاور وغیرہ کے رمانوی نظریات، جن کی ابتداء جان ژاک روسو نے کی اور بعد میں فرویڈ اور آڈلر کے" ناخودآگاہ ضمیر"، پاولوف اور واٹسن کے انسانی اور حیوانی حرکات وسکنات کا مشترکہ مطالعہ[۲۴]۔۔۔ وغیرہ میں انسان کی ایک مشینی پرزے سے لے کر دیگر حیوانات (Naked ape) تک جیسی ماہیت اور ذات والی مختلف تفسیر والے نفسیاتی علوم میں انسان اور کائنات کے بارے میں ایک اشتراک اور وحدت پائی جاتے ہے، اور وہ ہے انکی انسان پرستانہ (Humanistic) اور مادہ پرستانہ (Materialistic) تفسیر اور روحانی اور الوہی جہت سے مکمل غفلت۔ اختصار کی وجہ سے جن مکاتب فکر کا فقط اس پورے جائزے میں نام لینے پر اکتفاء کیا ہے قارئین ان مکاتب فکر کے انسان سے متعلق ان کے مفکروں اور فلسفیوں کے نظریات کا مطالعہ کریں، حتی ان مکاتب کا بھی جو دینی رنگ لیے ہوئے ہیں، ذرا دیکھیں کہ ان کے انسان کی ماہیت اور حقیقت سے متعلق کیا تصورات ہیں[۲۵]۔

اسلامی تعلیم وتربیت کے فلسفی مبانی

مکتب اسلام کے بارے میں اگر کہا جائے کہ تعلیم وتربیت اسکے اساسی ترین امور میں سر فہرست ہے، تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ قرآن کریم میں تزکیے اور تعلیم کو انبیاء کی بعثت میں شامل امور میں سے سر فہرست قرار دیا گیا ہے۔ اور تین مقامات پر[۲٦] اس طرح فرمایا: هوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ یعنی بعثت انبیاء لوگوں کے تزکیے (روحانی تربیت) اور تعلیم وحکمت کے لیے ہے۔ یعنی جب انسان اپنا تزکیہ شروع کرے گا تو اسے حقیقی علم اور حکمت حاصل ہوگی، جو سراسر نور اور ہدایت ہے۔ تمام

تر انسانیت کے لیئے یہی انبیاء کی بعثت کا ہدف ہے کہ انسانیت اپنے معبود کا قرب (تزکیے اور تربیت سے) اختیار کرے اور یہ قرب صرف واجبات عبادی کے ذریعے ہی نہیں، بلکہ انسانیت کی ہر خدمت کے ہمراہ حاصل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا تعلیم دراصل تربیت (تزکیہ) ہے، اور ایک تزکیے کا حامل، تربیت حاصل کیا ہوا انسان ہی معاشرے کی بہترین خدمت کر سکتا ہے۔

تعلیم وتربیت کے ضمن میں اسلامی مکتب اتنا عمیق اور حکمت آمیز ہے کہ اسکے اپنے مخصوص الفاظ، موضوعات اور اصطلاحیں ہیں۔ ان کا اسلامی تہذیب اور تعلیمات سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ اگر انہیں اسی اسلامی تعلیمات اور ثقافت کے دائرے اور تناظر میں نہ سمجھا جائے تو انکا مترادف دنیا کی کسی دوسری زبان میں ملنا ناممکن ہے۔ حتی جو الفاظ جن پیرائے میں اسلام نے عربی زبان کے انتخاب کرکے استعمال کئے ہیں ان کے معانی اور مفاہیم اسلامی تعلیمات میں جذب ہونے کے بعد عرب جاہلانہ دور کے استعمال سے بھی مختلف ہو گئے ہیں۔

اسی قسم کے وسیع مفاہیم لفظ عقل، جہل، تذکیہ، حکمت، ...وغیرہ اور ہر اس لفظ کے بارے میں جو اسلام میں اپنی تعلیمات اور مفاہیم کے لیے انتخاب ہوئے ہیں، بھی ملتے ہیں۔ لہٰذا اسلامی تعلیمات میں تعلیم و تربیت جیسی اہم ترین بحث کے بیان کے لیے جو مخصوص الفاظ قرآن اور روایات میں استعمال ہوئے ہیں ان کا تفصیلی اور گہرا مطالعہ کرنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ اسلامی نظام تربیت کی تلاش اور جستجو میں ہر قسم کی لغزشوں سے امان میں رہیں[۲۷]۔

اس مختصر تشریح سے سمجھ سکتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اسلامی تعلیم وتربیت کے مبانی بیان کرنا کوئی آسان کام نہیں، جو انسانی روحی اور نفسیاتی رازوں، انسانی ماہیت، انسانی جذبات، رجحانات اور احساسات؛ عورت اور مرد کی ذات اور شخصیت کے ایک دوسرے سے فرق،

انکی فطری ضروریات اور مشکلات سے آشنائی، انکے نشو ونما کے مختلف مراحل اور ہر مرحلے میں تاثیر حاصل کرنے کی استعداد، انسانی وجود میں پرستش اور ماوراء طبیعت ادراک کا نظام واضح کریں۔

یہاں تعلیم وتربیت سے متعلق فلسفی مبانی کا اسلامی نکتہ نگاہ سے جائزہ پیش کریں گے۔

ا۔۳) اسلامی تعلیم وتربیت کے تصوّر معرفت سے متعلق مبانی:

اسلامی فلسفے میں عقل کے پائیدار اور غیر متزلزل مقام کی بناء پر معرفت اور شناخت سے مربوط مسائل کسی منظّم صورت میں علیحدہ عنوان کے تحت بیان نہیں کئے گئے، بلکہ شناخت سے متعلق بعض مسائل فلسفے اور منطق کی کتابوں میں ہی مختلف ابواب میں ضرورت کے لحاظ سے زیر بحث لائے گئے ہیں۔

لیکن آج کل جبکہ مغربی ثقافت اور خاص طور پر وہاں کی علم سے مربوط مباحث ہمارے معاشروں میں پوری طرح سرایت کر چکی ہیں اور الوہی فلسفے کے بہت سارے مسلمات پر انہوں نے اعتراضات کی بوچھاڑ اور انکار تک کر رکھا ہے، تو ہمیں بھی اپنی فلسفی مباحث کو انہی کی زبان میں جواب کے لیے روایتی طرز فکر سے ہٹ کر نئے پیرائے میں بیان کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ایک تو اسکا فائدہ یہ ہوگا کہ دوسرے مکاتب سے میل جول سے خود ہم اپنی گراں بہا اسلامی تعلیمات کو مختلف پہلوؤں سے مقابلے اور اعتراضات کے مدلل اور ٹھوس جوابات کے لیے پیش کر سکیں گے جو علمی رشد اور ترقی کا باعث ہے، اور دوسرا ہم اپنے اس روشن فکر طبقے کے لیے جو مغربی افکار اور تصورات کے زیر سایہ نئے نئے اعتراضات اور نظریوں سے آشنا ہوئے ہیں، اسلامی تعلیمات اور خاص طور سے اسلامی فلسفے کو ان نئی جہتوں سے روشناس کروا کر انہیں اسلامی

تعلیمات سے بد ظن اور دور ہونے سے بچا سکتے ہیں۔

معرفت شناسی (Epistemology)، جیسے کہ پہلے بیان کیا گیا، یہ موضوع انسان سے متعلق اس کے تصوراتی نظام اور معروضی حقائق کے رشتے کے بارے میں آگاہی یا معرفت سے متعلق علم ہے۔ اس علم میں انسانی آگاہی (معرفت) اسکی قدر و قیمت اور درستی یا نا درستی کے معیار تعین کرنے سے متعلق مباحث شامل ہیں[۲۸]۔

انسان کو اس جہان عالم کے معروضی حقائق کشف کرنے کے لیے یقینی معرفت اور آگاہی کی ضرورت ہے، جو نہ صرف اسکے عقل و شعور میں اضافے کا باعث بنتی ہے بلکہ اسکے لیے حقیقت کو بھی مکمل طور پر عیاں کرتی ہے۔ اسلامی تعلیمات قرآن اور حدیث کی روشنی میں اور اسی طرح بیدار انسانی فطرت اس اہم نکتے کی طرف راہنمائی کرتے نظر آتے ہیں کہ انسان کو معروضی حقائق کی معرفت اور آگاہی کے لیے صرف حسی، سطحی اور ظاہری معلومات پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیے جس کا اکثر و بیشتر نتیجہ لا ادری گری اور شکّیّت (ارتیابیت) کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ بلکہ حس، تجربے، عقل و معقولات، تاریخ، روایات، سنت، وحی اور قرآن کے ظاہر اور باطنی تمام وسائل کو اپنی معرفت کے لیے استعمال کرنا چاہیے، کیونکہ یہ تمام منابع انسانی فکر و نظر کی تعمیر اور ہدایت کے لیے موثر ہیں۔

البتہ ان تمام وسائل میں کوئی بھی وحی اور نبوت کے ذریعے حاصل ہونے والی معرفت اور آگاہی جیسے یقین اور اعتماد کی منزل تک نہیں پہنچتا۔ ان تمام معرفت شناسانہ وسائل میں سے فقط وحی ہے جو ہر قسم کی خطا اور لغزش سے مبراء ہے[۲۹]۔ وحی اور اس کے ساتھ عقل اسلامی تصوّر معرفت سے متعلق مبانی کے اہم ترین اور مخصوص ارکان ہیں۔ اسکی دلیل قرآن میں عقل اور فکر

پر کی گئی تا کید ہے، جو مغرب کے "دین اور عقل" یا "وحی اور عقل" کے تعارض اور اختلاف کے تصوّر کے برخلاف ہے۔ کیونکہ مغربی دین منحرف عیسائیت ہے، جس کے انحراف سے عہد وسطیٰ کے تقریبا۱۰۰۰ سال انسانیت سوز مظالم اور عقل کی شدید مخالفت سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس منحرف دین کا جو عقل کا مخالف ہے اور دین اسلام جو عقل اور فکر و نظر کی تا کید کرتا ہے، کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا اسلام عقل کی پرورش اور نشو ونما کیلیئے اور اسے انحراف اور خطا سے محفوظ رکھنے کے لیے وحی کے ذریعے اسکی رہنمائی کرتا ہے۔

اس بحث سے واضح ہے کہ دین مبین اسلام میں معروضی حقائق اور حقیقت سے مربوط معرفت کا امکان ایک یقینی امر ہے۔ اسکا تعلیم وتربیت پر انتہائی مثبت اور مفید اثر مرتب ہوتا ہے، کیونکہ جتنا انسانی معرفت مکمل ہو گی اتنا ہی اس کی حقیقت تک رسائی کا امکان زیادہ ہوگا اور جس قدر وہ حقیقت سے نزدیک ہوگا اس کا خداوند سے معنوی اور روحی رابطہ بڑے گا اور اسکے نتیجے میں حقیقی تربیت کے لیے بہترین اور زیادہ مساعد مواقع فراہم ہوں گے [۳۰]۔

الف: حقیقی دین کی پہچان اور اس راہ میں تربیت:

جب یقینی معرفت ممکن ہو، تو اسکے نتیجے میں ایک حقیقی دین کی پہچان بھی ممکن ہے اور اس دین کی حقانیت پر ایمان بھی لایا جاسکتا ہے۔ پس اسلامی تعلیم وتربیت کے نصاب اور نظام کی تشکیل ایک دین کی بنیاد پر ہے جو حق ہے اور دیگر تمام ادیان سے برتر اور خاتمِ ادیان اور مکمل ترین دین ہے اور ہر قسم کی ارتیابیت، اخلاقی اضافیّت اور دینی کثرتیّت کی نفی کرتا ہے۔

ب: تعلیم وتربیت میں وحی کا کردار:

جیسا کہ مقدمے میں بیان ہوا خداوند تعالی نے اپنے منتخب پیغمبروں کی تربیت کا ذمہ خود اٹھایا

اور انہیں وحی اور نبوت کی بھاری ذمہ داری اٹھانے کی توفیق اور صلاحیت عطافرمائی تاکہ خداوند کے بتائے دستورالعمل کے ذریعے اس کے اولیاء اور بندوں کی تربیت کر سکیں اور یہی سلسلہ آگے چلتا رہے۔

اس لحاظ سے اسلامی تعلیم وتربیت کے معرفت شناسانہ اصول اور مبانی مختلف جہتوں سے وحی اور نبوت پر منحصر ہیں اور پیغمبروں کی تعلیمات نہ صرف تعلیم وتربیت کے نظام اور (نصاب) کو الوہی اور دینی بناتی ہیں بلکہ تعلیم وتربیت کے حصول کے جذبے، سمت اور ماہیت کو بھی خدایی رنگ عطا کرتی ہیں اور تربیت یافتہ انسان کے لیے دنیااور آخرت کی سعادت کی ضمانت فراہم کرتی ہیں۔

۲۔۳) اسلامی تعلیم وتربیت کے تصوّر کائنات سے متعلق مبانی:

خداشناسی اور خدااور قیامت پر یقین اسلامی تعلیم وتربیت کے تصوّر کائنات سے متعلق مبانی میں بنیادی ترین اور ناقابل تردید محور ہے۔ 'اس' سے اور 'اسی' کی طرف؛ انا للہ وانا الیہ راجعون؛ اس ساری بحث کا خلاصہ ہے۔ لہٰذا تعلیم وتربیت کے تمام قاعدے، قوانین اور معیار اس کے تشریعی ارادے کے تحت انسان کے لیے تربیت وتزکیے کے ساتھ اسکی طرف پلٹنے کے لیے ہیں۔

اسلامی تصورات کائنات کا تقاضہ ہے کہ تمام ہستی کو خداتعالی کی مخلوق اور حقیقی وتکوینی مالکیت مانیں۔ اسلامی نکتہ نظر سے اعتقادی نظام، تربیّتی اور اخلاقی نظام سے جدا نہیں ہے۔ بلکہ اعتقادی نظام، تربیتی اور اخلاقی نظام کا مبداء اور منشاء ہے۔ لہٰذا خداوند متعال جو تمام کائنات اور عالم ہستی کے حقیقی مالک اور تکوینی اور تشریعی رب ہیں، کی اجازت کے بغیر ہم کسی بھی قسم کی شیء یعنی اپنے اور دوسرے انسانوں سمیت، کسی پر کسی بھی قسم کا تصرف اور دست اندازی نہیں کر سکتے۔

اس بحث کا خلاصہ مندرجہ ذیل چار اہم امور ہیں[۳۱]؛

۱۔حیات بخش خالق واحدِ کائنات ۲۔انسان کا وابستہ وجود

۳۔تمام امور میں خدا محوری ۴۔قیامت پر اعتقاد

پس بطور خلاصہ اسلامی تعلیم وتربیت کے ہستی شناسانہ مبانی اس نظام کو ایک طرف تو مبداء سے مربوط کرتے ہیں، خالق واحد ہستی بخش،اور دوسری طرف چونکہ خداوند تعالی نے اس جہان اور انسانوں کو ایک خاص مقصد کے تحت خلق کیا ہے تو معاد سے جوڑتے ہیں، چونکہ انسانی حیات کی آخری منزل اور تمام افعال کہ حد قیامت ہی ہے۔اور اس کے نتیجے کا ''الوہی حکمت'' سے ناطہ جوڑتے ہیں، اس طرح سے کہ الوہی حکمت کا تقاضہ یہی ہے کہ ایک مکمل نظام برقرار ہو اور انسان اس طرح تربیت ہوں اور ایسی سمت اختیار کریں کہ بہترین انفرادی اور اجتماعی کمالات متحقق ہوں۔

یوں اسلامی تربیتی نظام ،اسلامی تصور کائنات کے ساتھ خاص طور سے اس کے نظام زندگی سے اسطرح جڑا ہوا ہے کہ خداوند تعالی کا حقیقی وجود تمام زندگی کے ہر ہر پہلو میں اور خاص طور سے تعلیم وتربیت میں نمایاں طور سے ہدایت، تربیت، راستہ متعین کرنے اور اسکو رخ دینے میں نظر آتا ہے۔

۳۔۳) اسلامی تعلیم وتربیت کے تصوّر اخلاق سے متعلق مبانی:

تعلیم و تربیت ان امور میں سے ہے جن کا براہ راست تعلق انسان سے ہے اس ناطے تعلیم و تربیت کے مبانی میں سے ایک اقدار (اخلاق) شناسی ہے جسکا تربیتی اصولوں پر گہرا اثر پڑتا ہے۔

اخلاقی اور اقدار کی شناخت کے مجموعے کو بعض اوقات ارزشی معرفت بھی کہا جاتا ہے۔ایک صحیح اخلاقی نظام کی تشریح اور علم اخلاق کے مبانی کا جائزہ اور تشریح فلسفہ اخلاق میں بیان کی جاتی ہے اور تربیتی قواعد اور اصولوں اور اہداف متعین کرنے میں اس کا انتہائی اہم کردار ہے[۳۲] ۔

اسلامی نظام اقدار گو کہ انسان شناسی کی مباحث سے جدا نہیں[۳۳] ہے اور اسلامی تعلیم وتربیت کے انسان شناسانہ مبانی اقدار شناسی کی بحث سے کسی طرح مبرا نہیں، لیکن چونکہ مغرب زمین کے اہم فلسفی مکاتب اخلاقی اضافیّت (Moral Relativism) کو پرچار کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے اقدار شناسی کی بحث کو انسان شناسانہ مبانی سے جدا بیان کیا جارہا ہے۔ بطور مختصر یہاں دو اہم مورد زیر نظر ہیں۔

الف: اقدار کا حقیقی اور غیر حقیقی ہونے کا معیار ب: اضافیت اخلاق

الف) اقدار کا حقیقی اور غیر حقیقی ہونے کا معیار[۳۴]:

فلسفہ اخلاق کی اہم ترین مباحث میں ایک یہ ہے کہ اخلاقی جملوں کی حقیقت ان کا اخباری جملے (Declarative) ہونا ہے یا انشائی جملے (Imperative) ہونا؟

یعنی مراد یہ ہے کہ، کیا اخلاقی جملے معروضی حقائق کی بناپر بیان کیے جاتے ہیں، حتی اگر وہ انشائی جملوں کی صورت میں بھی ہوں؟ یا اخلاقی جملوں کی حیثیت صرف انشائی ہے اور ان جملوں کو بولنے والے کے مطمع نظر کوئی معروضی حقائق نہیں ہوتے حتی اگر ان جملوں کو خبری انداز میں بیان کریں؟ بلکہ ان کی منشا بولنے والے کے رجحانات اور خواہشات کے سوا کچھ نہیں۔

مثلا جب کوئی کہتا ہے کہ جھوٹ نہ بولیں، یا جھوٹ نہیں بولنا چاہیے تو کیا اس جملے یا قول کے پیچھے کوئی حقیقت پوشیدہ ہے؟ یا بولنے والے نے انفرادی، ذاتی، سماجی یا دیگر مفادات کے مد نظر یہ جملے کہے ہیں؟

یہاں اس بحث کے دو طرح جواب دیئے جا سکتے ہیں۔ ایک تو مربوط ہو جائے گا انسان شناسی سے، یعنی انسان کو اگر صرف ایک مادی موجود خیال کیا جائے اور اس کے کسی بھی قسم کے

دوسرے پہلووں اور رابطوں کی نفی کی جائے، تو اس ایک بعدی انسان کے لیے ان جملوں کے پیچھے کسی بھی قسم کے معروضی حقائق اور عینی واقعیت کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس انسان کو اگر دو بعدی موجود، مادی جسم اور روحانی نفس کی حیثیت سے تصوّر کیا جائے تو ان جملوں کی معروضی حقیقت اس کی روح سے منسلک نظر آئے گی۔

مغربی شکّاکانہ افکار اور تصورات میں انسان ایک مادی جسم کے سوا کسی دیگر وجود کا حامل نہیں مانا جاتا، تو اس صورت میں اخلاقی نظام کا عدمیّت (Nihilism) کے علاوہ اور کوئی نظام تشکیل نہیں پاسکتا۔

دوسرا جواب انسانی پہلووں کے بجائے، اس کے اہداف سے مربوط ہے، کیونکہ اخلاقی مسائل انسان کی اختیاری حرکات وسکنات سے مربوط ہیں، اس لیئے جب وہ کسی عمل کو اختیار کرتا تو لازمی طور سے اس اختیار اور ارادہ کے پیچھے کوئی ہدف موجود ہوتا ہے جو اسے اس عمل کی طرف رغبت دلاتا ہے۔ لہٰذا اس کی حرکات وسکنات، افعال و کردار کی قدر بھی اس ہدف کے تحت متعین ہوتی ہے، ہدف جتنا بلند اور اعلیٰ ہوگا اتنا ہی اس تک پہنچنے کا وسیلہ جو انسانی کردار ہے، باارزش اور قابل قدر ہوگا۔

ہدف کا تعین اور انتخاب ہمارے اس مسئلے کا حل ہے۔ آیا وہ ہدف جس کے حصول کے لیے انسان کوشش کرتا ہے صرف اپنی طبیعت، دنیوی اور حیوانی خواہشات کی تکمیل ہے؟ یا سماجی مفادات اور مصلحتوں کے تابع ہے، اور معاشرے میں بدنظمی سے پرہیز کے لیے ہیں؟ یا معنوی اور روحی کمال اور ابدی خوشبختی اس کا ہدف ہے؟

مادی انسان کی مادہ پرستانہ عقل ہر قسم کے نظام اقدار اور اخلاقی اصولوں کے تعین کے لیئے پہلے

دو سوالوں کے جواب تہیہ کرنے کی تگ و دو میں مشغول عارضی قراردادیں منعقد کرتی نظر آتی ہے، جبکہ مبداء و معاد (خدا و قیامت) سے جڑے، مادے کے علاوہ روحانی انسان کی وحی کے زیر سایہ قدسی عقل نظام اقدار اور اخلاقی اصولوں کے تعین کے لیئے آخری سوال کے جواب کو تلاش کرتی نظر آئے گی، اور اس سلسلے میں دنیوی اور حیوانی خواہشات یا سماجی مفادات سے ہٹ کر معنوی اور روحی کمال اور ابدی حیات کے حصول کے معیار اسکے اقدار اور اخلاق کے نظام کو متعین کرتے ہیں۔

نتیجہ یہ کہ اسلامی نظام اقدار اور اخلاقی اصولوں کے معیار اور بنیادیں قابل استدلال عقلی برہان ہیں۔ البتہ اس ضمن میں مکمل بحث کا فلسفہ اخلاق میں تفصیل سے جائزہ لیا جاسکتا ہے جو یہاں ممکن نہیں۔

ب) اضافیّتِ اخلاق: اخلاقی اضافیت بھی فلسفہ اخلاق کی اہم ترین بحثوں میں سے ہے۔ جس کے کئی اہم فکری اور عملی نتائج سامنے آتے ہیں۔ اخلاقی جملوں کو انشائی قرار دینے اور انہیں انسانی خواہشات اور رجحانات سے اور سماجی قرار دادوں (Social Contracts) سے منسوب کرنے کے نتیجے میں نظام اقدار میں اضافیّت کا نظریہ وجود میں آیا ہے۔

البتہ اس کا بڑا واضح جواب موجود ہے جو اسلامی مکتب فکر کے فلسفیوں نے انتہائی مدلل انداز میں فلسفہ اخلاق کے تحت پیش کیا ہے۔ مختصراً یہ کہ مسئلہ اخلاق کی نسبت دو طرح کی فکر اور نظر موجود ہے[۳۵]۔

الف: اخلاق انسان کی ایک ذاتی واقعیت اور ضرورت کی حیثیت سے۔

ب: اخلاق انسان کی ذات سے ہٹ کر ایک بیرونی واقعیت۔

جو کوئی اخلاق کو انسان کے لیے ایک ذاتی واقعیت کی حیثیت سے تصور کرتا ہے، تو وہ انسانی

ذات پر حاکم قواعد کے تناظر میں اخلاقی نظام کی شناسائی اور اخلاقی مسائل، اصول اور معیار کو بغیر زمان اور مکان اور دیگر شرایط کی تاثیر کے بیان کرے گا۔ پھر انسانی صفات اور کردار کو اخلاقی لحاظ سے اچھے اور برے اعمال میں تقسیم کرے گا۔

جبکہ جو کوئی اخلاق کو انسانی ذات سے ہٹ کر مد نظر قرار دیتا ہے، تو وہ اخلاقی نظام کو اپنے اندر موجود قابلیت، رجحانات، خواہشات، سماجی مسائل، ثقافت، رسم و رواج اور مکان اور زمان میں حاکم شرایط کے ساتھ اپنائے گا اور ایسے نظام میں مادی قدروں کے سواء کوئی قدر اور تجربی بنیادوں کے سواء کوئی بنیاد باقی نہیں رہتی۔ اکثر مغربی مکاتب فکر کے مبانی اور نظری بنیادیں اسی لیے متزلزل اور متغیر ہیں، سیکولرزم اور پلورلزم (کثرتیّت) انہیں تجربی اور مادہ پرستانہ فکری تصوّرات کا ماحاصل ہیں، اور ان کا نتیجہ عدمیت (Nihilism) اور اخلاقی انحطاط ہے، جس کا آج کل مغرب کو شدت سے سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس اخلاق میں خیر و شر کا کوئی مستقل معیار نہیں کردار کے حسن و قبح کے لیے کوئی اصول نہیں ہے ہر چیز اضافی اور عارضی ہے، جبکہ دین اسلام کثرتیت (Plurluism) کو شدت سے جھٹلاتا ہے۔

آل عمران آیہ ۸۵ : وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وهُوَ فِی الْآخِرَةِ مِنْ الْخَاسِرِينَ

ترجمہ: اور جو اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین تلاش کرے گا تو وہ دین اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ قیامت کے دن خسارے میں ہوگا۔

بے شک ایک صحیح اور قابل قبول اخلاقی نظام کے ہی زیر سایہ ایک تعلیمی اور تربیتی نظام کو مرتب کیا جاسکتا ہے، تاکہ جو بھی اس اخلاقی نظام کی ضروریات ہوں وہ تعلیم وتربیت میں شامل

کرکے انسان کو اس کی انسانیت کے کمال تک پہنچنے کے لیے رہنمائی فراہم کی جاسکے۔

۴۔۳)اسلامی تعلیم وتربیت کے تصوّرانسان سے متعلق مبانی:

دنیا میں موجود ہر تربیتی مکتب انسان کی خلقت کے ہدف اور اس کے اعلی ترین کمال کے بارے میں اپنی ایک مخصوص فکر اور نظر رکھتا ہے، اور اسے انسانی تعلیم وتربیت میں ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے تربیتی نظام کو تشکیل دیتا ہے۔ تعلیم وتربیت کا موضوع چونکہ انسان ہے، اس لیئے انسان شناسی تعلیم وتربیت کے اہم ترین مبانی کی حیثیت رکھتی ہے۔

اسلامی تربیتی مکتب میں انسان کی تربیت ایک انتہائی مقدس اور الوہی امر ہے۔ انسان مختلف طریقوں اور راستوں سے تربیت پا کر خداوند متعال کی حقیقی جانشینی کا اہل قرار پاتا ہے۔ وہ مقام جس سے بڑھ کر مقدس مقام انسان کے لیے کسی اور مکتب میں قابل تصور نہیں، اس سلسلے میں انسانی قدر وقیمت، انسانی فطرت اور انسانی خواہشات اور معرفت کے مرتبوں کے بارے میں مسائل، اسلامی تعلیم وتربیت کے انسان شناسانہ مبانی میں زیر بحث آتے ہیں۔ اس تناظر میں یہاں انسان کی اسلامی نکتہ نگاہ سے حقیقت، ماہیت اور اسکی قابلیتوں اور خصوصیات کو صرف عنوان کے حد تک بطور مختصر بیان کریں گے[۳۶]۔

الف: اسلام کی نظر میں انسان کی حقیقت:

انسان صرف ایک مادی جسم نہیں، بلکہ طبعیت اور ماورائِ طبعیت کا مرکب ہے۔ کیونکہ انسانی فطرت میں جمادات، نباتات اور حیوانات میں موجود عناصر سے بڑھ کر ایک عنصر موجود ہے، جو اسے کی دیگر موجودات پر برتری اور قابلیت کا غماز ہے۔ جسکی بناپر وہ اس کائنات کی تمام مخلوقات کو مسخر کرنے پر قادر ہے اور یہ برتر عنصر بدن کے مٹ جانے کے بعد بھی باقی اور ہمیشہ زندہ رہتا

ہے۔ انسانی وجود میں موجود، مادے سے برتر اسی عنصر کا ظہور اور نشو ونما ہی اس بات کا باعث بنتا ہے کہ انسان کا مقام اور مرتبہ دوسری تمام مخلوقات کے مقابلے میں نمایاں اور برتر جلوہ گر ہو۔

ب: انسانی ذات اور ماہیت:

اسلامی مکتب فکر میں انسانی فضیلت اور برتری صرف اس کی جسمانی اور زندگی گزارنے کی خصوصیات یا اسکی بدنی اور ذہنی قوت تک منحصر نہیں، بلکہ ان سب کے ساتھ انسانی ذات اور ماہیت ایک مجرد وجود پر قائم ہے، جسے مختلف جہتوں سے روح، نفس، قلب اور نفخۂ الوہی کہا جاتا ہے اور یہی وہ انسانی جہت ہے جسکا تعلق ماوراء طبیعت اور قیامت (معاد) کی بحث سے جڑا ہوا ہے[۳۷]۔

لہٰذا انسان کی انسانیت اس کی مجرد روح کی بناء پر ہے اور انسان کی ذات اور ماہیت اسی روح کے ناطے ہے چونکہ انسان کا دوسری مخلوقات سے فرق ڈالنے والا عنصر یہی روح ہے نہ کہ مادی بدن اور یہی لافانی انسانی روح اسلامی تربیّتی علوم کا موضوع ہے۔ جبکہ بدنی و جسمانی تربیت وسیلے اور مقدمے کے طور پر مورد نظر ہے[۳۸]۔

دوسری طرف معاصر مغربی نظام فکر انسان شناسی کو فقط انتھروپولوجی (Anthropology) تک محدود کرکے انسان کو ایک حیوانی حیثیت سے زیر بحث لاتے ہیں، اور فقط اسکے جسمانی اور تمدنی حالات سے متعلق بحث کرتے نظر آتے ہیں۔

اسلامی نکتہ نگاہ سے، انسان میں موجود خصوصیات اور قابلیتوں کے ذکر پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ اگر اختصار سے بیان کریں تو تعلیم وتربیت، انسان کی بالقوہ قابلیتوں کو اس کے انفرادی اور اجتماعی کمال کی راہ میں فعلیت تک پہنچانے کا نام ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے ایک تربیتی نظام میں

انسان کی قابلیتوں اور خصوصیات کی شناسائی اہمیت کی حامل ہے۔ جو بطور کلی اسلامی تصوّر انسان میں درج ذیل ہیں[۳۹]۔

۱) علم اور آگاہی حاصل کرنے کی قابلیت۔

۲) انسانی روح میں موجود مختلف رجحانات اور میلانات۔

۳) انسانی اختیار اور آزادی اور انتخاب کی صلاحیت۔

۴) انسانی توانائی اور ارادہ۔

۵) انسانی شخصیت میں تبدیلی اور اس پر موئثر عوامل۔

ان میں سے ہر ایک کی تفصیل کا بیان یہاں ممکن نہیں۔

تصوّر انسانی کی اسی تفصیل کی روشنی میں تعلیم و تربیت کے ذریعے انسانی کمال کے اعلی ترین عرفانی اور فلسفی مقام کا تعین اور اسکے حصول اور اس راستے میں آنے والی روکاوٹیں جو خود انسان کی ذات میں موجود ہیں اور جو ماحول اور حالات کی وجہ سے پیش آتی ہیں، ان سب کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک مناسب تعلیم وتربیت کے نظام کے عمومی اصول اور پھر قواعد اور طریق کار متعین کیا جاسکتا ہے۔

اختتامی نتیجہ:

جن چار اہم ترین مبانی پر اسلامی اور مغربی تعلیم وتربیت کے نظام کا موازانہ کیا گیا ہے یہ اساسی ترین اور بنیادی ترین امور میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ جغرافیائی حالات اور شرایط، علاقائی رسم و راوج، سماج، ثقافت، نفسیات، تہذیب و تمدن اور مخصوص ماحولیاتی مشکلات اور شرایط کو بھی مد نظر رکھنا اصول اور مبادی متعین کرنے میں انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔

دو تربیتی مکاتب کے مبانی کا تقابلی جائزہ:

اسلامی اور مغربی تربیتی مکاتب کے مبانی کے تجزیاتی مطالعے کو یہاں بطور مختصر موازنے کی صورت میں ایک جدول میں پیش کیا جارہا ہے۔

تعلیم وتربیت کے مبانی	مکتب اسلام	مکتب غرب
تصور علمیات Epestimology	عقل، حس، وحی، شہود	اثباتیّت اور ارتیابیّت
تصور کائنات Ontology	خدا محور (مبداء سے معاد)	انسان محور (Humanism)
نظام اقدار Axiology	ذات انسان اور واقعیت پر مبنی	اضافی وعارضی
تصور انسان Anthropology	خدا سے خدا تک (مادی وروحی)	مادی فقط (ماوراء طبیعت سے جدا)

ان دونوں مکاتب میں کسی قسم کی ہماہنگی نہیں پائی جاتی، لہٰذا جو انسانی علوم جس مکتب میں تشکیل پائیں گے اسکی مناسبت سے وہی رنگ اپنائیں گے۔ اسی لیے اسلامی معاشروں میں ہمیں اپنی نسلوں کی صحیح تربیت کے لیے انسانی علوم کو خالص اسلامی فکر کے تحت احیاء کرنے اور ڈھالنے کی ضرورت ہے۔

ورنہ مغرب کے اس تصور حیات کا فکری اور نظری نتیجہ دیکھیں، تو ایک وقت ایسا تھا کہ مغربی مفکرین کسی بھی چیز کو بغیر اپنے تجربے کی کسوٹی پر لائے ماننے کے لیے تیار نہ تھے اور افراطی اثباتیت (Positivism) کے قائل تھے، لیکن آج انکی فلسفہ علم کے تحت تحریروں پر نگاہ دوڑائیں تو اس کے قائل نظر آئیں گے کہ انسان کسی چیز کے بارے میں سرے سے جان ہی نہیں سکتا!

جبکہ ان کے ملحدانہ تصوّر ہستی اور تصور حیات کا عملی نتیجہ تاریخ کے میوزیم کی نظر ہوئے کیمونزم ،اور لیبرل ڈیموکریسی کی اہم ترین علامت ''وال سٹریٹ'' کے گرد ظلم کی چکی میں پسے ۹۹ فیصد افراد کا احتجاج اور انکے ساتھ آزادی بیان کے حامیوں کے بہیمانہ سلوک کی صورت میں سب پر عیاں ہے۔ لیبرل ڈیموکریسی ، جس کے بارے میں اس نظریہ کے حامی اسے انسانی فکر کے ارتقاء کا آخری مرحلہ قرار دیتے ہیں، ایک متناقض (Paradoxical) اصطلاح ہے، چونکہ لیبرلزم کے پیچھے فردیّت (Individualism) کا تصوّر ہے، جبکہ ڈیموکریسی ایک اجتماعی فکر (Collectivism) کی عکاس ہے، پھر انکے آپس کے جوڑ میں کیا راز پوشیدہ ہے؟! شاید اسکا جواب ایک فیصد مراعات یافتہ طبقہ اور انکی اندھی تقلید میں غرق افراد ہی بتا سکتے ہیں۔

حوالہ جات:

[۱] محمد بن مکرم، لسان العرب، ج۵، ص۱۲۶

[۲] اردو لغت، ج۵، ص۵۹۰

[۳] جان دیویی، منطق تئوری تحقیق، ص ۱۲

[۴] ژان شاتو، مربیان بزرگ، ص۳۳۹

[۵] راغب اصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، ج۱، ص۵۸۰

[۶] فلسفہ تعلیم وتربیت، حوزہ و دانشگاہ، ص۷۳۳

[۷] مہدی ابوطالبی، تربیت دینی، ص۱۱۳-۱۱۹

[۸] سید احمد رہنمایی، درآمدی بر فلسفہ تعلیم وتربیت، ص۶۸-۶۹۔

[۹] شہید مرتضی مطہری، مجموعہ آثار، ج۲، جہان بینی توحیدی، ص۷۵۔

[۱۰] اردو لغت بورڈ کراچی، ج۱۷، ص۲۷۵

[۱۱] مہدی ابوطالبی، تربیت دینی، ص۱۱۳-۱۱۹

[۱۲] حبیب اللہ طاہری، مبانی فرہنگ غرب، ص۳۱

[۱۳] سید احمد رہنمایی، درآمدی بر فلسفہ تعلیم وتربیت، ص۸۶-۱۰۵

[۱۴]Fukuyama, Francis, "End of History and the last Man"

[۱۵] آس والڈ، فلسفہ کیا ہے؟، ص۳۵

[۱۶] استاد محمد تقی مصباح یزدی، آموزش فلسفہ، ج۱، ص۷۳۔۴۲

[۱۷] محمد حسین زادہ، معرفت شناسی، ص۱۰۷-۱۱۵

[۱۸] حبیب اللہ طاہری، بررسی مبانی فرہنگ غرب و پی آمد ہای آن، ص ۱۳۸-۱۳۹

[۱۹] دکتر آیت قنبری، نقدی بر اومانیسم ولیبرالیسم

[۲۰] Oxford Advanced Learner's. P ۱۱۴۳

[۲۱] اردو لغت ترقی اردو بورڈ کراچی ج۱ص۲۸۶

[۲۲] دکتر مہدی زمانی، تاریخ فلسفہ غرب، ج۲

[۲۳] مجتبی مصباح، فلسفہ اخلاق، ص ۱۳۰-۱۶۴

[۲۴] ہوارد و سموئل، مبانی فلسفی تعلیم و تربیت

[۲۵] مرتضی زاہدی، نظریہ تربیتی اسلام، ص ۴۲۰

[۲۶] سورہ جمعہ ۲، بقرہ ۱۵۱، آل عمران، ۱۶۴

[۲۷] مرتضی زاہدی، نظریہ تربیتی اسلام، ص ۶۹، ۶۷

[۲۸] محمد تقی مصباح یزدی، فلسفہ اسلامی، ج ۱، ص ۱۵۱- ۱۵۳

[۲۹] سید احمد راہنمایی، فلسفہ تعلیم و تربیت، ص ۲۳۷

[۳۰] مہدی ابوطالبی، تربیت دینی، ص ۱۲۹

[۳۱] سید احمد رہنمایی، فلسفہ تعلیم و تربیت، ص ۲۱۹-۲۲۶۔

[۳۲] مجتبی مصباح، فلسفہ اخلاق، ص ۱۸-۱۹

[۳۳] درسنامہ فلسفہ حقوق

[۳۴] استاد محمد تقی مصباح، آموزش فلسفہ، ج ۱، ص ۲۶۲-۲۶۴

[۳۵] محمد رضا امین زادہ، فلسفہ اخلاق، ص ۱۰-۷، ۳، ۲۰، ۱۱

[۳۶] احمد رہنمایی، فلسفہ تعلیم و تربیت، ص ۲۴۸-۲۴۹

[۳۷] پژوہشکدہ حوزہ و دانشگاہ، فلسفہ تعلیم و تربیت، ص ۴۰۳، ۴۰۰

[۳۸] مرتضی مطہری، فطرت؛ ج ۱، ص ۲۴۰-۲۶۰۔

[۳۹] پژوہشکدہ حوزہ و دانشگاہ، فلسفہ تعلیم و تربیت، ص ۴۱۷